

سنجیدہ سیاسی مسائل کو حل کرنا چاہیے؟

عمران خان کے پاس جو سب سے زیادہ منجھے ہوئے سیاستدان ہیں، ان میں جہانگیر ترین سرفہرست ہے۔ کوئی دوسری رائے نہیں کہ عمران خان کی حکومت سازی میں جہانگیر ترین کا کلیدی سیاسی کردار رہا ہے۔ آل شریف کے بعد آنے والے وزیر اعلیٰ کا قد کاٹھ، سیاسی بصیرت اور حسب نسب انتہائی اہم رخ اختیار کر چکا ہے۔ شہباز شریف نے اپنے آپ کو متحرک، کام کرنے والا اور صوبے پر آہنی گرفت والا وزیر اعلیٰ ثابت کیا ہے۔ کیا واقعی یہ دعویٰ درست بھی ہے یا نہیں۔ اس پر دو متفاہ آراء بہر حال موجود ہیں۔ شہباز شریف کی میڈیا ٹیم نے جو ثابت تاثر اُنکی ذات کے حوالے سے قائم کیا تھا وہ سو فیصد کیا، پچاس فیصد بھی درست نہیں ہے۔ مگر حقیقی بات یہ ہے کہ شہباز شریف کے طویل دورانیے کے بعد ایک ایسا وزیر اعلیٰ ہونا چاہیے تھا جو تجزیہ، کام پر گرفت اور انتظامی امور میں حد درجہ زیریک سیاستدان ہوتا۔ یہ فطری تقابل ہے۔ عوامی سطح پر ہر وقت سابقہ اور موجودہ سیاسی قیادت کا مقابلہ ہوتا رہتا ہے۔ یہ تجزیہ درست ہے کہ غلط، اس میں جائے بغیر، اس انسانی رویے کو قطعاً نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ عثمان بزدار کے پاس سرے سے کوئی میڈیا ٹیم موجود ہی نہیں ہے، لہذا اسکی اچھائیوں کو بھی لوگوں کے سامنے لانے کا کوئی اہتمام نہیں ہو سکا۔ سات مہینے کے اندر، اسے ایک نااہل، نالائق اور ناجائز کاروزیر اعلیٰ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ پنجاب حکومت اور انکے نمائندے میں، کسی بھی سطح پر عثمان بزدار کا دفاع نہیں کر رہے۔ میرے نزدیک، اسکی بہت بڑی وجہ، سابقہ وزیر اعلیٰ کی وہ وفاداری ہے جو دوبارہ موجودہ وزیر اعلیٰ کے ساتھ نصحتی ہونے میں کامیاب ہو چکی ہے۔ خلوت کی محفلوں میں عثمان بزدار کی کھل کر تفصیل کرتے ہیں اور اپنے پرانے باس یعنی شہباز شریف سے اکثر معاملات رازداری سے ڈسکس بھی کرتے ہیں۔ ذاتی رائے یہ ہے کہ عثمان بزدار کو کام کرنے کیلئے وقت ملنا چاہیے۔ یہی گھوڑا اور یہی میدان۔ ٹھوڑے سے عرصے میں سب کچھ معلوم ہو جائیگا۔ مگر اس وقت کے زمینی حقائق پنجاب حکومت کے کافی حد تک خلاف جاری ہے ہیں۔ منتخب نمائندوں کی مراعات اور وزیر اعلیٰ کیلئے عمر بھر کیلئے گھرا اور دیگر سہولتوں نے حد درجہ منفی تاثر اُبھارا ہے۔ مرکز سے عمران خان کی ٹویٹ اور ناراضگی سے معاملہ کافی درجہ تک بگڑ چکا ہے۔ دائشندی کا تقاضا یہ ہے کہ مراعات کا پچھلے صوبہ بلکہ ملک کی معاشی ترقی سے مشروط کر دیا جائے۔ اگر ملک کے معاشی معاملات بالکل ٹھیک ہو جائیں، تو عوامی نمائندوں کو بہتر سہولتیں فراہم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اس وقت جب اقتصادی ترقی کمزور رفتار سے ہو رہی ہے، ان مراعات کو نافذ کرنا سیاسی طور پر حد درجہ نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ اس تمام معاملہ میں وزیر اعلیٰ پنجاب کو حد درجہ احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ جس نے ابھی انہیں مراعاتی پچھلے پر قائل کیا تھا، وہ محتاط الفاظ میں انکا سیاسی دوست ہرگز ہرگز نہیں ہے۔ عثمان بزدار کو اس وقت حد درجہ توازن سے کام لینا چاہیے تھا۔ ساتھ ساتھ مشاورت میں سنجیدہ سیاسی لوگوں کو شامل کرنا چاہیے۔ سیاسی حالات بہر حال انکے بہت زیادہ حق میں نہیں ہیں۔ اگر پنجاب میں تحریک انصاف کا کردار گئی نہ دکھا پائی تو اگلے ایکشن میں کامیابی حد درجہ مشکل بلکہ ناممکن ہو جائیگی۔ اسکے آگے کچھ لکھنا مناسب نہیں۔ پنجاب سیاسی طور پر مرکز میں اہم ترین تبدیلی کا فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ لہذا کارکردگی کو بہتر بنانا حد درجہ ناگزیر ہے۔ باقی سب سیاسی خودکشی ہے۔

عرض کرتا چلوں، کہ کسی بھی سیاسی جماعت کیلئے ضروری ہے کہ اپنے تجربہ کا رادر ملچھے ہوئے کھلاڑی کلیدی عہدوں پر تعینات کرے۔ اسکو ملکی مفادات کی نظر سے دیکھئے۔ قومی مفاد بہر حال ہر سیاست سے بالا ہیں۔ اسکے ساتھ ساتھ لوگوں کی مشکلات کو بروقت دور کرنا کسی سیاسی پارٹی کیلئے بقاء کا درجہ رکھتی ہے۔ عام لوگوں کو صرف اس چیز سے غرض ہے کہ انکی مشکلات کوں کم کر رہا ہے اور کتنی برق رفتاری سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ تحریک انصاف جو اس وقت حکومت میں ہے، اسکے لیے حد درجہ غور کرنے کا مقام ہے۔ کلیدی عہدوں کیلئے تجربہ کا رلگ؟ یہ انتظامی امور کو بہتر کرنے کی چابی ہے۔ اس بحث سے تھوڑی دریکیلئے نکلیے کہ کونسا سیاسی فیصلہ ہونا چاہیے۔ اس سوال کو دوسرے طریقے سے پوچھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے قومی مفاد پورے کرنے کیلئے کون سب سے بہتر کام سرانجام دے سکتا ہے۔ طالب علم کی نظر میں جہاں گرتین ایک بھرپور قد کاٹھ کا سیاستدان ہے جسکے پاس تعلیم بھی ہے، وسائل بھی اور اسکے ساتھ ساتھ انتظامی تجربہ بھی۔ اس طرح کے اور سیاستدان بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر فن الفور میرے ذہن میں ترین کے علاوہ کوئی شخص نہیں آ رہا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ترین اور اس طرح کے سنبھالدہ لوگوں کو مکمل طور پر ضائع کر دیا جائے۔ ان سے کوئی کام نہ لیا جائے۔ انکی صلاحیتوں سے کسی قسم کا کوئی فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ انکو اس میدان ہی سے باہر کر دیا جائے، جس میں وہ بھرپور طریقے سے کھیل سکتے ہیں۔ بالکل نہیں۔ ہمارے سیاسی بلکہ قومی مفاد میں ہے کہ اہل لوگوں کو ضائع ہونے سے بچایا جائے۔ دیکھا جائے تو جہاں گرتین کو سیاسی میدان سے مکمل طور پر ایک عدالتی حکم پر باہر کر دیا گیا ہے۔ عدالت کا فیصلہ سر آنکھوں پر۔ اسکی عزت ہر حال میں ہونی چاہیے۔ مگر کیا کوئی ایسا راستہ نہیں نکالا جا سکتا جس سے جہاں گرتین اور اس طرح کے چند لوگوں کو دوبارہ میدان سیاست میں لا کر انکی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ یہ انتہائی نازک نکتہ ہے۔ طالب علم کی حیثیت سے اس سوال کو اٹھانا اسلیے ضروری ہے کہ ہمارے نظام میں پہلے ہی قحط الرجال ہے۔ اہل لوگوں کی ہر میدان میں حد درجہ کی ہے۔ بلکہ ایک مسلسل قحط ہے۔ معاشی حالات سب کے سامنے ہیں۔ اقتصادی نمو کی صورتحال بھی بہت بہتر نہیں ہے۔ اس غیر معمولی صورتحال میں غیر معمولی فیصلے کرنے کی ضرورت ہے۔ یکسوئی سے اور صرف قومی مفاد میں۔ شائنڈ آپکواں طرح قومی مفاد کے لفظ کا استعمال مناسب نہ لگے۔ مگر غور سے دیکھیے۔ اگر کوئی بھی اہم ترین عہدہ پر فائز انسان، درست اور صحیح کام کرتا ہے تو اس کا فائدہ خلقِ خدا کو تو ہے ہی، مگر ساتھ ساتھ یہ ہمارے قومی مفادات کیلئے بھی بہتر گردانا جاتا ہے۔ ”گڈ گونس“، ایک ملکی فریضے کے ساتھ ساتھ ایک ریاستی فرض بھی ہے۔ لیکن اب کیا کیا جائے۔ کون سی حکمت عملی اپنائی جائے جنکے بہترین انتظامی نتائج سامنے آئیں گے؟

یہ بہت زیادہ مشکل صورتحال ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی آسان راستہ ہرگز ہرگز موجود نہیں ہے۔ جس شخص کو عدالت نے نا اہل قرار دیدیا ہو۔ کیا اسے دوبارہ اہل قرار دیا جانا چاہیے۔ پہلی نظر میں یہ نامناسب بات لگتی ہے، کہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر عمل درامدہ کیا جائے۔ پر طالب علم، مختلف بات کر رہا ہے۔ ہر مشکل کا حل نکالا جا سکتا ہے۔ اگر قانونی طریقہ بھی ختم ہو جائے تو جائز انتظامی اقدامات اٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔ آرڈیننس یا قانون سازی کرنے سے بہر حال حکومت کو کوئی نہیں روک سکتا۔ اس پر کوئی قدغن بھی نہیں ہے۔ یہ پارلیمنٹ کا استحقاق ہے کہ قومی مفاد میں مشکل ترین فیصلے کرے۔ پارلیمنٹ کی نظر زمینی حفاظت پر ہوتی ہے جو اس ادارے کی تربیت کا حصہ ہے۔ یہ خاصہ کسی بھی دیگر ادارے کے پاس موجود نہیں ہے۔ عرض کرنے کا مقصد سادہ سا ہے۔ جہاں گیر ترین

اور ان جیسے چند ایسے سیاستدان موجود ہیں، جنکی عدالتی نااہلی سے بذاتِ خود پارٹی کو نہیں بلکہ ملکی سیاست کو نقصان ہوا ہے۔ اگر یہ لوگ عملی طور پر سیاسی میدان سے باہر نہ ہوتے، تو خصوصاً پنجاب میں حالات اس قدر گرگوں یا ڈانوال ڈول نہ ہوتے۔ آپکو دوسری مثال دیتا ہوں۔ رائے حسن نواز حدد درجہ ایماندار سیاستدان ہے۔ انکے بدترین سیاسی مخالف بھی یہ الزام نہیں لگا سکتے کہ حسن نواز یا اسکے خاندان نے ستر برس کی سیاسی عمر میں کوئی مالی بدعنوائی کی ہے۔ مگر صرف تکنیکی بنیاد پر حسن نواز سیاست سے باہر ہو چکا ہے۔ اس ملک میں، جہاں سیاست میں ایماندار انسان تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتا، حسن نواز سیاست سے تاحیات باہر ہے۔ جہاں گیر ترین کی طرح اسکا سیاسی کیریئر بھی بندگی میں دھکیل دیا گیا ہے۔ جہاں گیر ترین کے ساتھ بھی بعینہ یہی ہوا ہے۔

ان مشکل حالات میں، جس میں سیاست کے سنجیدہ کھلاڑیوں کی اشد ضرورت ہے۔ جہاں گیر ترین وغیرہ میدان سے ہی باہر ہیں۔ تھوڑی دیر کیلئے تحریک انصاف کی اندر ونی خلفشاکر کو بھول جائیے۔ گروہ بندی توہر پارٹی میں ہوتی ہے۔ اس سے کوئی مفر نہیں ہے۔ کیا مسلم لیگ، کیا پیپلز پارٹی اور کیا نہ ہبی سیاسی پارٹیاں۔ اندر ونی کھینچتا تھا، گروہ بندی، ہمارے سیاسی نظام کی خصوصیت ہے۔ اس سے جان نہیں چھڑوائی جاسکتی۔ حالیہ ایکشن سے پہلے وزارتِ اعلیٰ پنجاب کے دو بڑے امیدوار سامنے آئے تھے۔ ایک شاہ محمود قریشی اور دوسرا جہاں گیر ترین۔ شاہ محمود صوبائی اسمبلی کا ایکشن ہار کر صوبائی سیاست سے باہر ہو گئے۔ جہاں گیر ترین عدالتی فیصلے کی نظر ہو گئے۔ دو امیدواروں کی بات دیسے غلط ہے۔ پنجاب کی وزارتِ اعلیٰ اس قدر اہم اور پُر کشش ہے کہ اسکے لیے درجنوں امیدوار تھے اور ہیں۔ بہر حال محتاط الفاظ میں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ ترین اور شاہ محمود قریشی کے سیاسی قد کاٹھ کے اور لوگ نہیں ہیں۔ مگر یہ دونوں بھاری بھر کم شخصیات ایکشن کے ابتدائی مرحلے سے ہی آؤٹ ہو گئیں۔ انکے بعد تحریک انصاف کیلئے چواس حصہ حدد درجہ مشکل ہو گئی۔ اس مشکل کا آسان حل نکالنے کی کوشش کی گئی، کہ پنجاب کو کافی حد تک مرکز سے چلا جائے۔ یہ ماذل ذوال فقار اعلیٰ بھٹونے بھی استعمال کیا تھا۔ انہوں نے پنجاب میں چن چن کر انتہائی کمزور روزراء اعلیٰ رکھے تھے۔ معراج خالد، حنیف رامے اور صادق حسین قریشی، اچھے انسان تھے۔ مگر بہر حال بھٹو کی قد آور شخصیت کے سامنے مکمل طور پر بونے تھے۔ پنجاب کو ہاتھ میں رکھنے کی خواہش نے بھٹو سے ایسی علاقائی غلطیاں کروائیں جن سے اسکی حکومت اور پارٹی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ صرف چھ سات برس میں پیپلز پارٹی پنجاب میں ہمیشہ کیلئے قصہ پاریہ بن گئی۔ عمران خان کافی حد تک ماضی کے اس ماذل کو استعمال کر رہے ہیں۔ انکے نتائج حتیٰ طور پر کیا ہو سکتے ہیں۔ اس وقت کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ مگر ایک بھرپور سیاسی شخصیت کی عدم موجودگی پنجاب میں حدد درجہ محسوس کی جا رہی ہے۔ پیٹی آئی کا گراف آج وہ نہیں ہے جو ایکشن کے وقت تھا۔ صوبہ کی کارکردگی پر ہر حلقة سے اعتراضات اٹھنے کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ اعتراض صائب ہیں یا غلط۔ فیصلہ آنے والا وقت ہی کریگا۔ مگر جہاں گیر ترین جیسے تجربہ کا رلوگوں کو سیاسی طور پر مکمل ضائع کر دینا داشمندی نہیں۔ اسکا کوئی نہ کوئی انتظامی یا قانونی راستہ بنا نا خود حکومت کے مفاد میں ہے۔ مگر صاحبان! یہاں تو افراتفری کا عالم ہے۔ شور ہی شور ہے۔ مسائل کو حل کرنے کا وقت کس کے پاس ہے!

